ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1964

Program: BS Islamic Studies (Spec. Qur'an & Tafsir)

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس: منتخب تفاسیر کے مقدمات کا مطالعہ (1964) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ (تخصص قرآن و تفسیر)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ 1 تا 5)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

(مطالعہ و حوالہ کے لیے)

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

سوال نمبر 1: فضائلِ قرآن کی اہمیت، حاملِ قرآن کی عظمت اور اس کی صفات (20 نمبر)

سوال نمبر 1۔ فضائل قرآن کی اہمیت تحریر کیجئے نیز حامل قرآن کی عظمت بیان کرتے ہوئے حامل قرآن کی صفات تحریر کیجئے۔ (20)

تعارف

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب ہے جو قیامت تک کے لیے انسانیت کی ہدایت کا واحد مستند سرچشمہ ہے۔ جس طرح کسی بادشاہ کے فرمان کی اہمیت خود اس کے مرتبے سے ظاہر ہوتی ہے، اسی طرح کلامِ الٰہی کی فضیلت بیان کرنا دراصل ایمان کی تازگی اور عمل کی تحریک کا ذریعہ ہے۔ علومِ قرآن میں "فضائلِ قرآن" ایک مستقل باب ہے جس میں قرآن مجید کی عظمت، اس کے پڑھنے پڑھانے کے ثواب، اس کے حفظ و تلاوت کے آداب اور اس کے حاملین کے مقام و مرتبے کو قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے۔ امام ابن کثیر، امام نووی، امام سیوطی اور دیگر ائمہ نے اس موضوع پر مستقل کتب تصنیف کیں، کیونکہ جب تک دل میں قرآن کی قدر و منزلت راسخ نہ ہو، اس کی طرف عملی رجوع پیدا نہیں ہوتا۔

اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں: اول فضائلِ قرآن کی اہمیت، دوم حاملِ قرآن یعنی قرآن کو پڑھنے، حفظ کرنے اور اس پر عمل کرنے والے کی عظمت، اور سوم حاملِ قرآن کی وہ صفات جو احادیث و آثار میں بیان ہوئی ہیں۔ ذیل میں ان تینوں پہلوؤں کو ترتیب وار بیان کیا جائے گا تاکہ واضح ہو جائے کہ فضائل کا بیان محض جذباتی فضیلت نگاری نہیں بلکہ کردار سازی کا ایک مکمل نظام ہے۔

فضائلِ قرآن کی اہمیت

فضائلِ قرآن کی سب سے پہلی اہمیت یہ ہے کہ یہ انسان کو کلام کے خالق سے جوڑتی ہے۔ قرآن اپنے بارے میں خود ارشاد فرماتا ہے کہ یہ "ہدیً للناس وبینات من الھدیٰ والفرقان" ہے، یعنی تمام انسانوں کے لیے ہدایت اور حق و باطل میں فرق کرنے والا روشن معیار۔ جب طالب علم یہ جانتا ہے کہ وہ جس کتاب کا مطالعہ کر رہا ہے وہ کسی انسانی مصنف کی رائے نہیں بلکہ رب العالمین کا کلام ہے تو اس کے مطالعے کا انداز ہی بدل جاتا ہے؛ احترام، تدبر اور عمل کا جذبہ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفسرین اپنی تفاسیر کے مقدمات میں سب سے پہلے فضائلِ قرآن کا باب باندھتے ہیں تاکہ قاری ذہنی اور قلبی طور پر تیار ہو جائے۔

دوسری اہمیت یہ ہے کہ فضائل کا بیان محنت پر آمادگی پیدا کرتا ہے۔ قرآن کا حفظ، اس کی تجوید، اس کے معانی کا فہم اور اس کی تفسیر کا مطالعہ طویل صبر طلب مشقت ہے۔ احادیث میں بیان کردہ اجر و ثواب، مثلاً ہر حرف پر دس نیکیاں، قیامت کے دن قرآن کی شفاعت، اور حافظِ قرآن کے والدین کو نور کا تاج پہنایا جانا، طالب علم کے لیے وہ محرک ہیں جو اس مشقت کو عبادت اور محبوب مشغلے میں بدل دیتے ہیں۔ انسانی نفسیات کا تقاضا ہے کہ فضیلت کا علم عمل کی رغبت پیدا کرتا ہے، اسی لیے شریعت نے ترغیب کا یہ اسلوب اختیار کیا ہے۔

تیسری اہمیت سماجی اور تہذیبی ہے۔ جس معاشرے میں قرآن کی فضیلت عام ہو وہاں قرآن کے حاملین کی قدر ہوتی ہے، مساجد اور مدارس آباد رہتے ہیں اور نئی نسل کتاب اللہ سے جڑی رہتی ہے۔ صحابہ کرام کے دور میں فضائلِ قرآن کی مجالس عام تھیں اور یہی فضائل سن کر لوگ راتوں کو قیام اور دن کو تلاوت میں گزارتے تھے۔ اس کے برعکس جب فضائل کا شعور ماند پڑ جائے تو قرآن محض رسم و رواج کی کتاب بن کر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا فضائلِ قرآن کا مطالعہ دینی شعور کی بقا اور احیاء دونوں کے لیے ناگزیر ہے۔

حاملِ قرآن کی عظمت

"حاملِ قرآن" سے مراد وہ شخص ہے جو قرآن کو اپنے سینے میں محفوظ رکھے، اس کی تلاوت کا اہتمام کرے، اس کے مفاہیم کو سمجھے اور اس کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں اٹھائے پھرے۔ لفظ "حمل" خود ایک ذمہ داری کی طرف اشارہ ہے؛ جیسے کوئی امانت اٹھانے والا اس کی حفاظت کا پابند ہوتا ہے، ویسے ہی حاملِ قرآن بھی کلامِ الٰہی کی حفاظت، ادب اور عمل کا پابند ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔" اس ایک جملے نے حاملِ قرآن کو امت کے بہترین افراد کی صف میں کھڑا کر دیا، کیونکہ اس کی خیر خود اس کی ذات تک محدود نہیں رہتی بلکہ دوسروں تک منتقل ہوتی ہے۔

حاملِ قرآن کی عظمت کا دوسرا پہلو اس کا اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق ہے۔ حدیث میں اہلِ قرآن کو "اہل اللہ و خاصتہ" یعنی اللہ والے اور اس کے خاص بندے کہا گیا ہے۔ دنیا میں کسی بادشاہ کے خاص مصاحب کا جو مقام ہوتا ہے، اس سے کہیں بلند مقام اس بندے کا ہے جسے رب العالمین نے اپنے کلام کے ذریعے اپنا خاص قرار دیا ہو۔ اسی طرح

قیامت کے دن حاملِ قرآن سے کہا جائے گا: "پڑھتا جا اور چڑھتا جا، جیسے تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا، پس تیری منزل وہیں ہو گی جہاں آخری آیت کی تلاوت ختم ہو گی۔" یعنی جنت کے درجات اس کے حفظ و تلاوت کے مطابق بلند ہوتے جائیں گے۔

حاملِ قرآن کی عظمت دنیوی زندگی میں بھی نمایاں ہے۔ وہ امت کی امامت کا سب سے مستحق قرار پایا، اس کی گواہی اور مشورے کو وقعت حاصل ہوئی اور صحابہ کے دور میں حافظِ قرآن کو انتظامی اور عسکری ذمہ داریوں میں ترجیح دی جاتی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں قرآن کے حاملین کو خاص وظائف اور عزت دی جاتی تھی۔ اس عظمت کی بنیاد مال و نسب نہیں بلکہ کلامِ الٰہی سے نسبت ہے، جو اس اصول کو ثابت کرتی ہے کہ اسلام میں فضیلت کا معیار تقویٰ اور علم ہے، خاندان اور دولت نہیں۔

حاملِ قرآن کی صفات

احادیث و آثار کی روشنی میں حاملِ قرآن کی نمایاں صفات درج ذیل ہیں۔ سب سے پہلی صفت اخلاص ہے: وہ قرآن کو اللہ کی رضا کے لیے پڑھے، ریا، شہرت اور دنیوی مفاد اس کا مقصد نہ ہو، کیونکہ حدیث میں قیامت کے دن سب سے پہلے جن لوگوں کا فیصلہ ہو گا ان میں وہ قاری بھی شامل ہے جس نے لوگوں کے "قاری" کہلانے کے لیے قرآن پڑھا ہو گا۔ دوسری صفت عمل ہے؛ حاملِ قرآن قرآن کی حدود پر رکنے والا، اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جاننے والا ہو۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ حاملِ قرآن کو چاہیے کہ اسے اس کی رات کی بیداری سے پہچانا جائے جب لوگ سو رہے ہوں اور اس کے دن کے روزے سے جب لوگ کھا پی رہے ہوں۔

- اخلاصِ نیت: تلاوت، حفظ اور تعلیمِ قرآن صرف اللہ کی رضا کے لیے ہو، دکھاوا اور ناموری مقصود نہ ہو۔
- عمل پیرائی: قرآن کے اوامر و نواہی کی پابندی، حدودِ الٰہی پر ٹھہرنا اور اخلاقِ قرآنی کو اپنانا۔
- مداومتِ تلاوت: قرآن کی باقاعدہ تلاوت اور دور کا اہتمام، کیونکہ حدیث میں قرآن کو اس اونٹ سے تشبیہ دی گئی ہے جو رسی سے بندھا ہو تو رکا رہتا ہے اور چھوڑ دیا جائے تو نکل بھاگتا ہے۔
- خوش الحانی و تجوید: قرآن کو قواعدِ تجوید کے مطابق ٹھہر ٹھہر کر اور اچھی آواز سے پڑھنا، مگر گانے بجانے کی طرز سے اجتناب کرنا۔

- تقویٰ و پرہیز گاری: شب بیداری، روزے، صدقہ، خاموشی اور لوگوں سے حسنِ سلوک حاملِ قرآن کی پہچان ہوں۔
- تعلیم و تبلیغ: جو کچھ سیکھا ہے اسے دوسروں تک پہنچانا اور قرآن کی دعوت کو عام کرنا۔

ان صفات کا حاصل یہ ہے کہ حاملِ قرآن محض ایک "یاد کرنے والا" نہیں ہوتا بلکہ قرآن اس کے اخلاق میں ڈھل جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں فرمایا تھا کہ "آپ کا اخلاق قرآن تھا"۔ یہی وہ آئیڈیل ہے جس کی طرف ہر حاملِ قرآن کو بڑھنا چاہیے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی حافظ یا قاری جھوٹ، غیبت، سود یا ظلم میں مبتلا ہو تو وہ حاملِ قرآن کے لقب کی توہین کرتا ہے؛ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ قرآن یا تو انسان کے حق میں حجت بنے گا یا اس کے خلاف، درمیانی صورت کوئی نہیں۔ لہٰذا حاملِ قرآن کی اصل صفت یہ ہے کہ اس کی زندگی میں قرآن کی جلتی پھرتی تفسیر نظر آئے اور لوگ اس کے کردار کو دیکھ کر قرآن کی طرف مائل ہوں۔

حاصلِ کلام

مجموعی طور پر فضائلِ قرآن کی اہمیت یہ ہے کہ یہ قرآن سے قلبی تعلق، عملی رغبت اور سماجی قدر و منزلت پیدا کرتی ہے؛ حاملِ قرآن کی عظمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا خاص بندہ، امت کا بہترین فرد اور قیامت کے دن شفاعت و بلندیِ درجات کا مستحق قرار دیا ہے؛ اور اس کی صفات اخلاص، عمل، مداومتِ تلاوت، تجوید، تقویٰ اور تعلیم و تبلیغ پر مشتمل ہیں۔ طالب علم کے لیے پیغام واضح ہے کہ قرآن کا حق صرف اسے پڑھ لینے سے ادا نہیں ہوتا بلکہ اسے سینے میں بسانا، سمجھنا اور جینا پڑتا ہے۔ جو شخص یہ تینوں مرتبے حاصل کر لے وہی حقیقی معنوں میں حاملِ قرآن ہے اور وہی اس عظمت کا حق دار ہے جو قرآن و سنت میں اس کے لیے بیان کی گئی ہے۔

سوال نمبر 2: تفسیر قرطبی کے مقدمے کا خلاصہ اور طعن کرنے والوں کو جوابات (20 نمبر)

سوال نمبر 2۔ تفسیر قرطبی کے مقدمہ کا خلاصہ تحریر کرتے ہوئے علامہ قرطبی کے قرآن پر طعن کرنے والوں کو دیے گئے جوابات تحریر کیجئے۔ (20)

تعارف

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی (وفات 671ھ) اندلس کے شہر قرطبہ سے تعلق رکھنے والے مالکی فقیہ اور جلیل القدر مفسر ہیں۔ ان کی تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" فقہی و احکامی تفاسیر میں سب سے جامع تصنیف شمار ہوتی ہے۔ جس طرح کسی عظیم عمارت کا دروازہ اس کی شان کا پتہ دیتا ہے، اسی طرح قرطبی کی تفسیر کا مقدمہ بھی علومِ قرآن کا ایک بیش بہا مجموعہ ہے جس میں انہوں نے کتاب کی تالیف کے مقاصد، اپنے منہج، فضائلِ قرآن، جمع و تدوینِ قرآن، سات حروف، اعراب و نقط، اعجازِ قرآن اور تفسیر بالرأی کی ممانعت جیسے بنیادی مباحث کو سمیٹ دیا ہے۔ یہ مقدمہ دراصل پوری تفسیر کا کلید ہے۔

اس مقدمے کی ایک خصوصیت اس کا دفاعی پہلو ہے۔ قرطبی کے دور میں باطنیہ، زنادقہ اور بعض ملحدین قرآن مجید پر اعتراضات اور طعن کرتے تھے: کہیں اس کی فصاحت پر سوال اٹھایا جاتا، کہیں اس کے نظم و ترتیب کو نشانہ بنایا جاتا اور کہیں یہ دعویٰ کیا جاتا کہ قرآن میں تکرار اور غیر ضروری قصے بھرے ہیں۔ امام قرطبی نے مقدمے میں ان اعتراضات کا مدلل جواب دیا اور قرآن کی حقانیت کو عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا۔ ذیل میں پہلے مقدمے کا خلاصہ اور پھر طعن کرنے والوں کو دیے گئے جوابات بیان کیے جاتے ہیں۔

تفسیر قرطبی کے مقدمے کا خلاصہ

امام قرطبی مقدمے کا آغاز حمد و ثنا اور تفسیر کی تالیف کے سبب سے کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے یہ کتاب اس لیے لکھی کہ احکامِ قرآن کو فقہی دلائل کے ساتھ جمع کیا جائے، حلال و حرام کی آیات کی تشریح کی جائے اور عقائد و اخلاق کے مسائل کو بھی ساتھ ساتھ بیان کیا جائے۔ وہ اپنا منہج واضح کرتے ہیں کہ ہر سورت کے آغاز میں اس کے فضائل و اسبابِ نزول بیان کریں گے، مشکل الفاظ کی لغوی تحقیق کریں گے، قراءات کا ذکر کریں گے، احادیث و آثار درج کریں گے اور فقہاء کے اختلافات دلائل سمیت نقل کر کے راجح قول کی نشاندہی کریں گے۔ غیر موثوق روایات اور بلاضرورت اسرائیلی قصوں سے اجتناب ان کے منہج کا حصہ ہے۔

مقدمے کا ایک بڑا حصہ فضائلِ قرآن اور آدابِ تلاوت پر مشتمل ہے۔ قرطبی نے قرآن سیکھنے سکھانے کی فضیلت، حاملِ قرآن کے مقام، تلاوت کے آداب، قرآن کو اچھی آواز سے پڑھنے اور قرآن فراموش کرنے کی وعید پر احادیث جمع کی ہیں۔ اس کے بعد وہ جمعِ قرآن کی تاریخ بیان کرتے ہیں کہ قرآن عہدِ نبوی میں کیسے محفوظ ہوا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں صحیفوں میں جمع ہوا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک رسم پر امت کو جمع کیا گیا۔ سات حروف کی حدیث کی تشریح، نقطوں اور اعراب کے اضافے کی تاریخ اور کتّابِ وحی کے نام بھی مقدمے میں لے ہیں۔

مقدمے کے آخری مباحث میں تفسیر کے اصول زیرِ بحث آئے ہیں۔ قرطبی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ تفسیر کا حق صرف اسے ہے جو عربی لغت، نحو و صرف، ناسخ و منسوخ، اسبابِ نزول اور اصولِ فقہ سے واقف ہو۔ انہوں نے تفسیر بالرّای یعنی بغیر علم کے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرنے کی سخت ممانعت احادیث سے ثابت کی ہے اور باطنیہ کے ان اشاری معانی کو رد کیا ہے جو ظاہرِ قرآن اور شریعت سے ٹکراتے ہوں۔ اسی ذیل میں انہوں نے محکم و متشابہ، عام و خاص اور مجمل و مبین جیسے اصولی مباحث کی طرف بھی اشارات کیے ہیں جن کی تفصیل آگے تفسیر میں آتی ہے۔

قرآن پر طعن کرنے والوں کو امام قرطبی کے جوابات

پہلا طعن یہ کیا جاتا تھا کہ قرآن عربی فصحاء کے کلام سے ممتاز نہیں اور اس کی فصاحت کوئی معجزہ نہیں۔ قرطبی اس کا جواب چیلنجِ قرآن سے دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود کفار کو مثلِ قرآن، پھر دس سورتوں اور پھر ایک سورت لانے کا چیلنج دیا اور عرب کے فصیح ترین شعراء و خطباء اس چیلنج کے سامنے عاجز رہے۔ اگر قرآن انسانی کلام ہوتا تو معارضہ ممکن ہوتا۔ انہوں نے یہ نکتہ بھی اٹھایا کہ قرآن نے خود انہی کے دور میں یہ چیلنج دیا تھا اور دشمنانِ اسلام ہر قیمت پر اس چیلنج کو قبول کرنے کے خواہشمند تھے، مگر ناکامی ان کا مقدر بنی؛ یہی اعجاز کی سب سے بڑی تاریخی دلیل ہے۔

دوسرا طعن قصص کی تکرار پر تھا کہ ایک ہی واقعہ بار بار کیوں دہرایا گیا ہے؟ قرطبی جواب دیتے ہیں کہ تکرار مقصد کے اختلاف سے ہوتی ہے؛ ہر جگہ قصہ کسی نئے سبق، نئی عبرت یا نئے حکم کے لیے آتا ہے اور ہر بیان میں اسلوب اور زاویہ بدل جاتا ہے، لہٰذا یہ تکرارِ محض نہیں بلکہ تجدیدِ مقصد ہے۔ تیسرا طعن یہ تھا کہ قرآن میں غیر عربی الفاظ ہیں

تو اس کا "قرآناً عربیاً" ہونا کیسے درست ہوا؟ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ وہ الفاظ عربوں کے ہاں مستعمل اور ان کی زبان میں ڈھل چکے تھے، لہٰذا وہ عربی ہی کے حکم میں ہیں، جیسے ہر زبان دوسری زبانوں کے مستعمل الفاظ کو اپنا حصہ بنا لیتی ہے۔

چوتھا اور خطرناک طعن باطنیہ کا تھا جو آیات کے ظاہری معانی کو چھوڑ کر خود ساختہ باطنی تاویلات کرتے اور شریعت کے احکام کو بے معنی قرار دیتے تھے۔ قرطبی نے ان کا سخت رد کیا اور لکھا کہ ظاہرِ قرآن ہی اصل ہے؛ جو تاویل ظاہر اور اجماعِ امت سے ٹکرائے وہ زندقہ ہے۔ انہوں نے باطنیہ کے مشہور دعووں کی مثالیں دے کر بتایا کہ اس روش کا نتیجہ حلال و حرام کی پابندیوں کا خاتمہ اور دین کی بنیادوں کی تباہی ہے۔ اسی طرح انہوں نے ان لوگوں کا بھی جواب دیا جو قرآن کو مخلوق کہنے یا اس میں کمی بیشی کا دعویٰ کرتے تھے؛ آیاتِ حفاظت اور اجماعِ صحابہ و تواترِ نقل سے ثابت کیا کہ قرآن بعینہٖ وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

قرطبی کے جوابات کا اسلوب قابلِ توجہ ہے۔ وہ جذباتیت کے بجائے دلیل، تاریخ اور لغت سے کام لیتے ہیں، مخالف کے اعتراض کو پہلے پوری امانت سے نقل کرتے ہیں، پھر اس کا جواب دیتے ہیں۔ اس سے یہ اصول ملتا ہے کہ قرآن کا دفاع اسی وقت مؤثر ہوتا ہے جب مفسر علومِ قرآن، عربی ادب اور تاریخِ اسلام پر مکمل دسترس رکھتا ہو۔ کمزور اور بے جا جوابات بجائے فائدے کے نقصان پہنچاتے ہیں، اسی لیے قرطبی نے طعن کرنے والوں کے مقابلے میں علمی وقار کو ملحوظ رکھا ہے۔

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ کہ تفسیر قرطبی کا مقدمہ محض تمہید نہیں بلکہ علومِ قرآن کا ایک جامع خاکہ ہے جس میں تالیف کا مقصد، منہجِ تفسیر، فضائل و جمعِ قرآن، سات حروف، اعراب اور تفسیر کے شرائط بیان ہوئے ہیں۔ اسی مقدمے میں امام قرطبی نے قرآن پر طعن کرنے والوں کو چیلنجِ اعجاز، تکرار کے مقاصد، مستعمل غیر عربی الفاظ کی حیثیت اور ظاہرِ قرآن کی حجیت جیسے دلائل سے دندان شکن جواب دیا اور باطنی تاویلات کو زندقہ قرار دے کر رد کیا۔ یہ مقدمہ آج بھی ہر طالب علم کو یہ سبق دیتا ہے کہ قرآن کی خدمت اور اس کا دفاع دونوں کے لیے گہرا علم، امانت اور دلیل کی مضبوطی شرط ہے۔

سوال نمبر 3: تفسیر ابن کثیر کا تعارف، خصوصیات اور مقدمے کا خلاصہ (20 نمبر)

سوال نمبر 3۔ تفسیر ابن کثیر کا تعارف و خصوصیات لکھتے ہوئے تفسیر ابن کثیر کے مقدمہ کا خلاصہ تحریر کیجئے۔(20)

تعارف

حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمر ابن کثیر دمشقی (701ھ تا 774ھ) حدیث، تاریخ اور تفسیر کے امام ہیں۔ ان کی تفسیر "تفسیر القرآن العظیم" جسے عام طور پر تفسیر ابن کثیر کہا جاتا ہے، تفاسیر ماثورہ میں سب سے زیادہ مقبول اور معتبر تصنیف ہے۔ یہ تفسیر آٹھویں صدی ہجری میں لکھی گئی مگر آج بھی دنیا بھر کے مدارس، جامعات اور عام قارئین میں اس کی قبولیت برقرار ہے، اس کے تراجم اردو سمیت دنیا کی بڑی زبانوں میں ہو چکے ہیں اور متعدد جامعات کے نصاب میں اس کا مطالعہ شامل ہے۔ اس سوال میں پہلے اس تفسیر کا تعارف و خصوصیات اور پھر اس کے مشہور مقدمے کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

تفسیر ابن کثیر کا تعارف و خصوصیات

تفسیر ابن کثیر کی بنیادی خصوصیت اس کا منہج ماثور ہے۔ ابن کثیر آیت کی تفسیر میں ایک مرتب ترتیب اختیار کرتے ہیں: پہلے قرآن ہی سے قرآن کی تفسیر کرتے ہیں کیونکہ ایک جگہ کا اجمال دوسری جگہ تفصیل سے کھلتا ہے؛ پھر احادیثِ نبوی سے رجوع کرتے ہیں؛ پھر صحابہ کرام کے اقوال سے، کیونکہ وہ نزولِ وحی کے چشم دید گواہ تھے؛ پھر تابعین کے اقوال سے؛ اور آخر میں عربی لغت و شعر سے استشہاد کرتے ہیں۔ یہ ترتیب بعد کے مفسرین کے لیے معیار بن گئی اور خود ابن کثیر نے مقدمے میں اسے اصول کے طور پر بیان کیا ہے۔

دوسری خصوصیت حدیثی نقد و تحقیق ہے۔ ابن کثیر حافظِ حدیث ہونے کے ناتے روایات کو محض نقل نہیں کرتے بلکہ ان کی اسناد پر کلام کرتے ہیں، صحیح و ضعیف کی نشاندہی کرتے ہیں اور راویوں کے حالات سے بحث کرتے ہیں۔ اسرائیلی روایات کے بارے میں ان کا موقف نہایت متوازن ہے: انہوں نے انہیں تین اقسام میں تقسیم کیا؛ جو ہماری

شریعت کے موافق ہوں وہ قابلِ قبول، جو مخالف ہوں وہ مردود، اور جن کی تصدیق و تکذیب ممکن نہ ہو ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ان پر اعتقاد نہیں رکھا جائے گا، البتہ انہیں روایت کرنے کی گنجائش ہے۔ یہ اصول اسرائیلیات کے باب میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

- منہجِ مأثور: قرآن بالقرآن، پھر سنت، پھر اقوالِ صحابہ و تابعین، پھر لغت سے تفسیر۔
- حدیثی تحقیق: روایات کی اسنادی جانچ، صحیح و ضعیف کی تمیز اور جرح و تعدیل کا اہتمام۔
- اسرائیلیات میں اعتدال: تین اقسام کی تقسیم اور غیر مصدقہ روایات پر عدمِ اعتماد۔
- عقائد میں سلفی منہج: صفاتِ الٰہی وغیرہ میں اہلِ سنت کے طریقے کی پابندی اور بے جا تاویلات سے اجتناب۔
- سہل و واضح اسلوب: مشکل مسائل کو بھی آسان اور منظم انداز میں بیان کرنا جس سے عوام و خواص یکساں استفادہ کرتے ہیں۔
- جامعیت: فقہی احکام کا خلاصہ، اختلافی مسائل میں دلائل کا جائزہ اور مناسب مقامات پر تاریخی و سیرتی معلومات۔

ان خصوصیات کا نتیجہ یہ نکلا کہ تفسیر ابن کثیر کو امت میں غیر معمولی قبولیت ملی۔ امام سیوطی نے اس کی تعریف کی، شاہ ولی اللہ کے خاندان سے لے کر برصغیر کے علماء تک سب نے اس سے استفادہ کیا اور یہ تفسیر طبری کے بعد مأثور تفسیر کا سب سے اہم ماخذ سمجھی جاتی ہے۔ اس کی ایک اور خوبی اختصار و اطناب کا توازن ہے؛ وہ نہ اتنے مختصر ہیں کہ بات ادھوری رہ جائے اور نہ اس قدر طویل کہ قاری اکتا جائے، یہی وجہ ہے کہ یہ تفسیر درسی نصاب کے لیے بھی موزوں قرار پائی۔

تفسیر ابن کثیر کے مقدمے کا خلاصہ

ابن کثیر نے اپنی تفسیر کے آغاز میں ایک مبسوط مقدمہ لکھا ہے جو کئی ابواب پر مشتمل ہے اور درحقیقت علومِ قرآن کی ایک مختصر مگر جامع کتاب ہے۔ مقدمے کی ابتداء میں انہوں نے تفسیر کے فضائل اور اس علم کی اہمیت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو ہدایت بنا کر نازل کیا اور اس کے فہم کی کوشش افضل ترین مشاغل میں سے ہے۔ اس ضمن

میں انہوں نے "خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ" جیسی احادیث اور سلف کے اقوال نقل کیے ہیں اور بتایا ہے کہ صحابہ کرام دس دس آیات سیکھتے تھے اور جب تک ان پر عمل نہ کر لیں آگے نہیں بڑھتے تھے؛ یہ نکتہ علم و عمل کے امتزاج کو ظاہر کرتا ہے۔

مقدمے کا مرکزی مضمون تفسیر کے درست طریقے کا بیان ہے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ تفسیر کا سب سے صحیح طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے، پھر سنت سے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے شارح ہیں، پھر صحابہ کے اقوال سے کیونکہ وہ اسبابِ نزول اور قرائن کے واقف تھے، اور پھر تابعین کے اقوال سے۔ اس کے برعکس انہوں نے تفسیر بالرأی کی شدید مذمت کی ہے اور اس سلسلے کی احادیث نقل کی ہیں، جس نے قرآن میں اپنی رائے سے بغیر علم کے کچھ کہا اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا۔ یہ اصول واضح کرتا ہے کہ دینی علوم میں رائے کی گنجائش علم اور دلائل کے بعد ہے، جہالت کے ساتھ نہیں۔

مقدمے میں ابن کثیر نے جمعِ قرآن، سات حروف، قراءات اور قرآن کی سورتوں کے فضائل پر بھی بحث کی ہے۔ فضائلِ سور پر انہوں نے خاص فصل قائم کی ہے جس میں سورۃ الفاتحہ، البقرہ، آل عمران، الکہف، یٰس، الملک اور اخلاص وغیرہ کی فضیلت احادیث سے ثابت کی ہے۔ انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ قرآن کا اعجاز اس کے نظم، بلاغت اور غیب کی خبروں میں ہے اور اس کا چیلنج آج تک قائم ہے۔ مقدمے کے آخر میں انہوں نے تلاوت کے آداب اور حاملِ قرآن کے مقام کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ یوں یہ مقدمہ تفسیر شروع کرنے سے پہلے قاری کو پورا علمی تربیتی خاکہ فراہم کر دیتا ہے۔

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر ابن کثیر ماثور تفسیر کی شاہکار تصنیف ہے جس کی خصوصیات درست منہج، حدیثی تحقیق، اسرائیلیات میں اعتدال، عقائد میں سلف کی پیروی اور سہل اسلوب ہیں۔ اس کا مقدمہ فضائلِ تفسیر، تفسیر کے چار درجاتی اصول، تفسیر بالرأی کی ممانعت، جمع و قراءاتِ قرآن اور فضائلِ سور کا جامع بیان ہے۔ طالب علم کے لیے اس مقدمے کا مطالعہ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر نہ تفسیر کی روح سمجھ آسکتی ہے اور نہ اس فن کی شرائط۔ جو شخص ان اصولوں کو اپنا کر تفسیر پڑھے گا وہ گمراہ کن تاویلات سے محفوظ رہے گا اور قرآن کا صحیح فہم حاصل کرے گا، یہی ابن کثیر کی اس عظیم خدمت کا اصل ثمرہ ہے۔

سوال نمبر 4: تفسیر "التحریر والتنویر" کے مقدمات کا خلاصہ (20 نمبر)

سوال نمبر 4۔ تفسیر "التحریر والتنویر" کے مقدمات کا خلاصہ تحریر کیجئے۔ (20)

تعارف

"التحریر والتنویر" تیونس کے عظیم عالم علامہ محمد طاہر ابن عاشور (1879ء-1973ء) کی تیس جلدوں پر مشتمل تفسیر ہے جو بلاغت، مقاصدِ شریعت اور نظمِ قرآن کے اعتبار سے بیسویں صدی کی ممتاز ترین تفاسیر میں شمار ہوتی ہے۔ ابن عاشور نے اپنی تفسیر کی ابتداء میں دس مقدمات تحریر کیے ہیں جو اپنے موضوعات کے لحاظ سے علومِ قرآن و اصولِ تفسیر کی ایک مکمل کتاب کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان مقدمات کا مطالعہ کیے بغیر نہ ان کی تفسیر کا منہج سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ان کے منفرد نکات کی قدر و قیمت معلوم ہو سکتی ہے۔ اس جواب میں ان دسوں مقدمات کا خلاصہ ترتیب وار پیش کیا جاتا ہے۔

پہلے پانچ مقدمات کا خلاصہ

پہلا مقدمہ تفسیر و تأویل کی تعریف اور تفسیر کے ایک مستقل علم ہونے کے بیان میں ہے۔ ابن عاشور نے تفسیر کی لغوی و اصطلاحی تعریف بیان کی، تفسیر اور تأویل کے درمیان فرق واضح کیا کہ تفسیر الفاظ کے معانی کی وضاحت ہے جبکہ تأویل کلام کو اس کے ممکن معانی میں سے کسی ایک کی طرف دلائل سے لوٹانا ہے۔ انہوں نے ثابت کیا کہ تفسیر ایک باقاعدہ فن ہے جس کی تاریخ عہدِ نبوی سے شروع ہوتی ہے اور اس کی تدوین وارتقاء کے مراحل بیان کیے۔ دوسرا مقدمہ تفسیر کے مآخذ و استمداد کے بارے میں ہے جس میں انہوں نے عربی لغت، صرف و نحو، بلاغت، قراءات، اسبابِ نزول، ناسخ و منسوخ، حدیث اور اصولِ فقہ کو تفسیر کے لازمی مآخذ قرار دیا اور واضح کیا کہ ان علوم سے بے بہرہ شخص کی تفسیر قابلِ اعتماد نہیں۔

تیسرا مقدمہ تفسیر بالمأثور کی صحت اور تفسیر بالرأی کے صحیح مفہوم کے بارے میں ہے۔ ابن عاشور کا موقف متوازن ہے: وہ منقول تفسیر کو بنیاد مانتے ہیں مگر اجتہادی تفسیر کو مطلقاً ممنوع نہیں سمجھتے؛ ان کے نزدیک ممنوع رائے وہ ہے جو بغیر علم، خواہشِ نفس یا مأثور کے خلاف ہو، جبکہ اصولوں کی پابندی کے ساتھ عقل کا استعمال تفسیر کی ضرورت ہے۔ چوتھا مقدمہ مفسر کے مقصد اور قرآن کے مقاصد کے بیان میں ہے۔ انہوں نے قرآن کے بڑے مقاصد شمار کیے: عقیدے کی اصلاح، اخلاق کی تہذیب، تشریع و قانون سازی، امت کی سیاست و اجتماعیت، قصص سے عبرت اور کونی اشارات وغیرہ، اور کہا کہ مفسر کی ذمہ داری ہے کہ ہر آیت کو انہی مقاصد کی روشنی میں سمجھائے۔ پانچواں مقدمہ اسبابِ نزول کے بارے میں ہے جس میں انہوں نے اسبابِ نزول کی اہمیت بیان کی، مگر اس میں مبالغے اور ہر آیت کے لیے سبب تلاش کرنے کی روش کو نقد کا نشانہ بنایا اور فرمایا کہ بعض اسباب محض تطبیق و تمثیل ہوتے ہیں، حصر نہیں۔

آخری پانچ مقدمات کا خلاصہ

چھٹا مقدمہ قراءات کے بارے میں ہے۔ ابن عاشور قراءاتِ متواترہ کو تفسیر کا اہم ماخذ مانتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ قراءات کے اختلاف سے معانی میں وسعت اور احکام میں تنوع پیدا ہوتا ہے؛ انہوں نے شاذ قراءات کے استعمال کی شرائط بھی بیان کی ہیں۔ ساتواں مقدمہ قصصِ قرآن کے بارے میں ہے جس میں انہوں نے واضح کیا کہ قرآنی قصوں کا مقصد تاریخ نگاری نہیں بلکہ عبرت، موعظت اور اصولِ زندگی کی تعلیم ہے؛ اسی لیے قرآن واقعے کا صرف وہی حصہ بیان کرتا ہے جو مقصد کے لیے کافی ہو۔ انہوں نے قصص کو مختلف انواع میں تقسیم کیا اور اہلِ کتاب کی کتابوں سے موازنہ کے اصول بھی بیان کیے ہیں۔

آٹھواں مقدمہ قرآن، اس کی آیات اور سورتوں کے ناموں اور ان کی ترتیب کے بارے میں ہے۔ اس میں انہوں نے سورتوں کے ناموں کی توقیفی حیثیت، آیات کی تقسیم، مکی و مدنی کی پہچان اور ترتیبِ مصحف کے توقیفی ہونے پر بحث کی ہے۔ نواں مقدمہ اس معنی کے بارے میں ہے جس پر قرآن کی جملہ عبارات کو محمول کیا جاتا ہے؛ اس میں انہوں نے نظمِ قرآن، سورت کے اغراض اور آیات کی باہمی مناسبت کو تفسیر کی بنیاد قرار دیا اور فرمایا کہ ہر سورت کا ایک مرکزی مقصد یعنی "غرض" ہوتا ہے جس کے گرد تمام آیات گھومتی ہیں۔ یہی مقدمہ بعد میں ان کے نظم و مناسبت کے پورے نظام کی بنیاد بنا۔

دسواں اور آخری مقدمہ اعجازِ قرآن کے بارے میں ہے جو ان مقدمات کا سب سے طویل اور اہم مقدمہ شمار ہوتا ہے۔ ابن عاشور نے اعجاز کے وجوہ بیان کیے: بلاغت و نظم، غیب کی خبریں، تشریعی کمال اور علمی اشارات۔ انہوں نے صرفہ کے نظریے سمیت مختلف آراء کا جائزہ لیا اور اعجاز کا اصل راز قرآن کے نظم و اسلوب اور مقاصد کی جامعیت میں قرار دیا۔ اس مقدمے میں ان کی بلاغی ذوق و بصیرت کا پورا اظہار ہوتا ہے۔ ان دس مقدمات کے بعد وہ عامۃً ہر سورت سے پہلے اس سورت کے نام، فضیلت، مکی و مدنی ہونے، آیات کی تعداد اور اس کے مرکزی اغراض پر ایک تمہیدی بحث بھی کرتے ہیں جو انہی مقدمات کے اصولوں کی عملی تطبیق ہے۔

- مقدمہ 1: تفسیر و تأویل کی تعریف اور تفسیر کا علم ہونا۔ مقدمہ 2: تفسیر کے آمد و استمداد۔
- مقدمہ 3: تفسیر بالمأثور اور تفسیر بالرأی کا صحیح مفہوم۔ مقدمہ 4: مفسر کا مقصد اور قرآن کے مقاصد۔
- مقدمہ 5: اسبابِ نزول کا درست مقام۔ مقدمہ 6: قراءات اور تفسیر میں ان کا کردار۔
- مقدمہ 7: قصصِ قرآن کے مقاصد۔ مقدمہ 8: قرآن، آیات و سور کے اسماء اور ترتیب۔
- مقدمہ 9: نظمِ قرآن اور سورت کے مرکزی غرض کا اصول۔ مقدمہ 10: اعجازِ قرآن کے وجوہ۔

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ کہ التحریر والتنویر کے دس مقدمات اصولِ تفسیر کا ایک منظم اور جامع نظام پیش کرتے ہیں۔ ان میں تفسیر کی تعریف و مآخذ سے لے کر اسبابِ نزول، قراءات، قصص، نظم اور اعجاز تک ہر بنیادی مسئلہ تحقیق و توازن کے ساتھ زیرِ بحث آیا ہے۔ ان مقدمات کی انفرادیت یہ ہے کہ ابن عاشور محض ناقل نہیں بلکہ محقق ہیں؛ وہ سلف کی آراء نقل کر کے ان پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں اور مقاصدِ قرآن کو تفسیر کا محور بناتے ہیں۔ طالب علم اگر ان مقدمات کو سمجھ کر پڑھ لے تو نہ صرف التحریر والتنویر بلکہ کسی بھی تفسیر کے مطالعے کے لیے اسے اصولی بنیاد حاصل ہو جاتی ہے، یہی ان مقدمات کی دائمی قدر و قیمت ہے۔

سوال نمبر 5: مقدمہ تفسیر حقانی کا خلاصہ (20 نمبر)

سوال نمبر 5۔ مقدمہ تفسیر حقانی کا خلاصہ تحریر کیجئے گ۔(20)

تعارف

تفسیر حقانی جس کا اصل نام "فتح المنان" ہے، برصغیر کے معروف عالم مولانا عبد الحق حقانی دہلوی (وفات 1915ء) کی اردو تفسیر ہے۔ یہ تفسیر اس دور میں لکھی گئی جب برصغیر میں سائنس، مغربی فلسفے اور عیسائی مشنریوں کے اعتراضات کی وجہ سے نوجوان نسل کے ذہنوں میں قرآن کے بارے میں شکوک پیدا ہو رہے تھے۔ مولانا حقانی نے اپنی تفسیر کے آغاز میں ایک مبسوط مقدمہ لکھا جو علومِ قرآن کے اہم مباحث پر مشتمل ہے اور جس میں انہوں نے جدید اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے۔ اس مقدمے کو بعض اہلِ علم نے علومِ قرآن پر اردو کی بہترین تمہیدی تحریروں میں شمار کیا ہے۔ ذیل میں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔ نوٹ: سوال کی طرح چھپا ہے جس میں آخری لفظ "گ" اضافی معلوم ہوتا ہے؛ مراد ظاہر ہے کہ مقدمہ تفسیر حقانی کا خلاصہ تحریر کرنا ہے۔

مقدمہ تفسیر حقانی کے مباحث کا خلاصہ

مقدمے کے ابتدائی مباحث وحی اور نزولِ قرآن کے بارے میں ہیں۔ مولانا حقانی نے وحی کی تعریف، اس کی اقسام اور اس کے طریقے بیان کیے ہیں اور اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ قرآن کسی انسان کی تصنیف ہو سکتا ہے؛ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امیّت، قرآن کے چیلنج اور اس کے اثرات کو دلیل بنایا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے نزولِ قرآن کی دو مرحلہ وار صورتیں بیان کی ہیں: لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف یکبارگی نزول اور پھر وہاں سے تیئیس سال میں بتدریج نزول۔ تدریجی نزول کی حکمتیں بھی بیان کی گئی ہیں کہ اس سے حفظ میں آسانی، احکام کی بتدریج تربیت اور واقعات کے موقع پر فوری رہنمائی ممکن ہوئی۔

دوسرا اہم مبحث جمع و تدوینِ قرآن اور حفاظتِ قرآن ہے۔ مولانا نے کتّابِ وحی کی فہرست، عہدِ نبوی میں کتابت کے ذرائع، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور کے جمع اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کی اشاعتِ مصاحف کی تفصیل بیان کی ہے۔ انہوں نے مستشرقین اور مخالفین کے اس دعوے کا رد کیا ہے کہ قرآن میں تحریف یا کمی بیشی ہوئی ہے، اور تواتر، اجماع اور تاریخی شواہد سے ثابت کیا ہے کہ قرآن کا متن محفوظ و متواتر ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے سات حروف، قراءاتِ سبعہ و عشرہ اور رسمِ عثمانی کی مباحث کو بھی سادہ اردو میں سمجھایا ہے تاکہ اردو خواں قاری ان دقیق مسائل سے واقف ہو سکے۔

مقدمے کا تیسرا حصہ قرآن کے مفاہیم و مباحث سے متعلق ہے جس میں مکی و مدنی کی اصطلاح، پہچان، اسبابِ نزول کی اہمیت، ناسخ و منسوخ کی حقیقت اور اس کی شرائط، محکم و متشابہ کی تشریح اور امثال و قصصِ قرآن کے مقاصد زیرِ بحث آئے ہیں۔ نسخ کے مسئلے میں مولانا نے اعتدال کی راہ اختیار کی ہے؛ نہ ہر اختلاف کو نسخ کہہ کر آیات کو منسوخ قرار دیا ہے اور نہ نسخ کا کلی انکار کیا ہے۔ اسی طرح متشابہات کے بارے میں انہوں نے سلف کا موقف اختیار کیا ہے کہ ان کی حقیقت اللہ کو معلوم ہے اور ان میں پڑ کر فتنہ نہیں برپا کرنا چاہیے۔

مقدمے کا چوتھا اور منفرد حصہ جدید مسائل و اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ مولانا حقانی نے قرآن کے علمی اشارات، کائنات کے بارے میں قرآنی بیانات اور سائنسی اکتشافات کے تعلق پر گفتگو کی ہے اور اس اصول کو واضح کیا ہے کہ قرآن سائنس کی کتاب نہیں، ہدایت کی کتاب ہے، مگر اس کا کوئی بیان حقیقتِ ثابتہ کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے جہاد، پردہ، تعددِ ازواج اور غلامی جیسے موضوعات پر مغرب کے اعتراضات کا بھی اختصار سے جواب دیا ہے اور اعجازِ قرآن کے وجوہ خصوصاً اس کی بلاغت اور امی پیغمبر پر نزول کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مقدمے کے آخر میں انہوں نے اپنی تفسیر کا منہج بیان کیا ہے کہ ترجمہ و تفسیر میں اہلِ سنت کے مسلک کی پابندی، اختلافی مسائل میں اعتدال اور عام فہم اردو ان کی تحریر کی بنیاد ہے۔

- وحی و نزولِ قرآن: وحی کی اقسام، دو مرحلہ نزول اور تدریج کی حکمتیں۔
- جمع و حفاظتِ قرآن: کتّابِ وحی، جمعِ صدیقی، اشاعتِ عثمانی اور تحریف کے دعوے کا رد۔

- علومِ قرآن: مکی و مدنی، اسبابِ نزول، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، امثال و قصص۔
- جدید اعتراضات کے جوابات: علمی اشارات، اعجاز اور معاشرتی احکام پر مغربی اعتراضات کا جواب۔
- منہجِ تفسیر: اہلِ سنت کا مسلک، اعتدال اور عام فہم اردو اسلوب۔

مقدمے کی اہمیت و خصوصیات

مقدمہ تفسیر حقانی کی سب سے بڑی اہمیت اس کی زبان اور اس کا مخاطب ہے۔ یہ مقدمہ اردو میں ہونے کی وجہ سے برصغیر کے عام تعلیم یافتہ مسلمان کے لیے علومِ قرآن کا دروازہ کھولتا ہے۔ مولانا کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ پیچیدہ اصطلاحات کو مثالیں دے کر آسان بنا دیتے ہیں اور دلیل کے ساتھ ساتھ اسلوبِ خطابت بھی برقرار رکھتے ہیں۔ دوسری خصوصیت دورِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگی ہے؛ وہ صرف قدیم مباحث دہرا کر نہیں رہ جاتے بلکہ اپنے عہد کے ذہنی سوالات کو سامنے رکھ کر گفتگو کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مقدمہ مدارس کے علاوہ کالج و یونیورسٹی کے طلبہ میں بھی مقبول ہوا۔

حاصلِ کلام

مجموعی طور پر مقدمہ تفسیر حقانی علومِ قرآن کا ایک جامع، آسان فہم اور دور اندیش خلاصہ ہے جس میں وحی و نزول، جمع و حفاظت، قراءات، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، اعجاز اور جدید اعتراضات کے جوابات منظم انداز میں آ گئے ہیں۔ یہ مقدمہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ برصغیر کے علماء نے قرآن کی خدمت صرف تفسیر تک محدود نہیں رکھی بلکہ اس کے دفاع اور اس کے علوم کی ترویج میں بھی پورا حصہ لیا ہے۔ طالب علم جب اس مقدمے کو پڑھ کر تفسیر کا مطالعہ شروع کرتا ہے تو اسے نہ صرف قرآنی مباحث کی بنیادیں مل جاتی ہیں بلکہ اپنے دور کے شکوک و شبہات کا جواب دینے کی صلاحیت بھی پیدا ہوتی ہے، اور یہی کسی مقدمے کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔